تشکیلِ نظام میں رسول اللہ ﷺ کی بہترین حکمتِ عملی

محسنہ منیر *

ABSTRACT:

The Seerah of The Holy Prophet (S.A.W.) grants the ummah complete guidelines in system making. The state of Madinah was established by the Holy Prophet (S.A.W.) in an exceptional manner. The situation of Madinah before the arrival of the Muslims was complex as hostility, aggression and enmity were common, which did not allow peace in the city. Peace and justice were restored when Muslims migrated to Madinah.

The life of the Holy Prophet (S.A.W.) endows useful principles for all mankind to make a uniform scheme of actions these include: building a centre, accord and harmony among all the groups, devising contracts, formulating the principles of combat and most important obeying to the commands of the leader. All these directions from the Holy Prophet (S.A.W.) Cements the mankind in one peaceful unity.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے کثیر لمحات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید وفرقانِ حمید میں جگہ جگہ کہیں اپنی تائید وتحسین کے ساتھ اور کہیں رشد و ہدایت کے ساتھ تذکرہ فرمائے ہیں(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جملہ انسانیت کی طرف ہے۔ آپؐ کی رحمت تمام عالمین کے لیے محیط ہے یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی حیات طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے مکالمات ومعاہدات فرمائے ان میں تمام گروہ انسانی کے لیے خیر وفلاح کا جامع ترین منصوبہ پایا جاتا ہے۔ مفاہمتی عمل کی بہترین حکمت عملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات میں ہے اور اس پر تمام امت کا اتحاد واتفاق ہے۔ کوئی دوسرا دور نبوت، کوئی دوسرا فرماں روا، کوئی دوسرا سردار، کوئی دوسرا غم خوارِ انسانیت اور کوئی دوسرا انسان ایسا نہیں ہے جو تاج دارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعارف کردہ مفاہمتی عمل کی ادنیٰ سی تاثیر کے برابر کچھ پیش کرسکا ہو یا کرسکتا ہو۔ یہ ایک معجزہ ہے(۲)۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہؐ کے ہر لمحے میں آپؐ نے اپنی امت کو یاد رکھا ہے اور آپؐ کے ارشادات میں مسلم وغیر مسلم دونوں کے لیے فلاح وہدایت کا بہترین نظام موجود ہے۔

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بہترین حکمت عملی کی پہلی مثال تعمیر کعبہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ ہے(۳)۔ آغاز بعثت سے تقریباً پانچ سال قبل آپؐ کی عمر مبارک ۳۵ پینتیس سال تھی جب کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی اور چار دیواری کے اوپر چھت نہ تھی۔ تب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع

* ڈاکٹر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور برقی پتا: munirmann@hotmail.com
تاریخ موصولہ: ۱۵/جون ۲۰۱۲ء

کی۔اس نیک کام میں تمام قریش قبائل نے حصہ لیا۔خانہ کعبہ کے مختلف حصے انہوں نے آپس میں تقسیم کیے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ یہاں تک کہ حجر اسود کی تنصیب کا موقع آیا اس کارِ خیر کو انجام دینے میں سب قبائل آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ نوبت خون ریزی تک آجاتی۔ چار دن تک جاہلی انداز میں لڑائی جھگڑا جاری رہا۔ پانچویں دن قریش کے معمر ترین آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے آئے گا وہ اس معاملے کا فیصلہ کرے گا۔ کتب سیرت میں ہے کہ اگلے دن مشیتِ ایزدی سے سب سے پہلے تشریف لانے والی ہستی رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار منتخب کروایا اور چادر بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا سب منتخب شدہ سرداروں نے چادر کے کونے تھامے اور حجر اسود کو خانہ کعبہ کی طرف لے چلے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب فرمادیا(۴)۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ معاملہ اور بہترین تدبیر کا شہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی معاشرہ میں ہو چکا تھا۔ یہاں یہ تاثر ملتا ہے کہ اس تدبیر کے نتیجے میں جملہ قبائل کی اس اہم کام میں شرکت نے انہیں معزز بنادیا۔

آپؐ کی ذاتی صفات میں صدق، امانت، دیانت، راست بازی، ایفائے عہد، شرافت اور معاملہ فہمی کی شہادت آپؐ کے ساتھ رہنے والا ہر شخص دیتا تھا۔ انہیں میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے جو آپؐ کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے ان کے بیان کے مطابق کاروباری معاملات میں آپؐ ہمیشہ نہایت شفاف معاملہ فرماتے اور کبھی مناقشہ کی نوبت نہ آتی۔ بعد از اعلان نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خالقِ حقیقی کی جانب سے دعوتِ حق کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی۔ اس مرحلے پر آپؐ کی فطرت سلیمہ میں پائی جانے والی مفاہمانہ روش کے ساتھ جس معجزاتی طرز پر اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ آپؐ کی جانب سے انجام دیا گیا اس پر داعی و مبلغ اپنی پوری طاقت و ہمت سے عمل کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ کہیں تو آپؐ تبلیغ کے جواب میں طنز و تشنیع سن کر متحمل مزاجی کا مظاہرہ فرماتے ہیں(۵) اور کہیں دعوت کے جواب میں ظلم و تشدد سہہ کر ظالموں کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہیں(۶)۔ کہیں آبائی وطن کو چھوڑنے پر مجبور کرنے والوں سے عام معافی کا معاملہ فرماتے ہیں(۷) اور کہیں مسلم افواج کو جاہلی انداز میں جانی و مالی نقصان پہنچانے والی اقوام و قبائل کی بیٹیوں کو حد درجہ تکریم سے نوازتے ہیں۔(۸)

قرآنی حکم و انذر عشیرتک الاقربین کے مطابق آپؐ نے دعوت و تبلیغ کا آغاز گھر سے کیا(۹) اس پُر تاثیر دعوت کی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ کے قریب ترین ساتھی آپؐ پر فوراً ایمان لے آئے۔(۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے عزیز دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپؐ کے ہر اقدام پر بھرپور اعتماد کرتے۔ مخالفین کے اعصاب شکن حملوں کا مقابلہ کرنے میں آپؐ کی ڈھارس بندھاتے۔ یہاں تک کہ دین پھیلنا شروع ہوا اور جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ مخالفین کے اذیت ناک حملوں میں بھی شدت آتی چلی گئی اور شعب ابی طالب میں محصوری کا پر آزمائش لمحہ آ گیا۔(۱۱)

ریاست مدینہ جس کی تشکیل قبائلی عصبیت کو چھوڑ کر سراسر امت کی بنیاد پر تھی، اس کا تانا بانا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم وفراست اور بلند پایہ حکمت عملی کی ان گنت نشانیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

تشکیل ریاست میں پائیدار حکمت عملی:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیرہویں سال مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ جس کا قدیم نام یثرب تھا مکہ مکرمہ کے شمال میں تقریباً گیارہ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ علاقائی اہمیت کا حامل تھا۔ مدینہ کے اہم قبائل میں تین بڑے یہودی قبائل بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع جبکہ دوقحطانی قبائل اوس اور خزرج شامل تھے (۱۲)۔ جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام عرب خلفشار کا شکار تھا اسی طرح یثرب کے باشندوں میں بھی باہمی اختلافات سنگین نوعیت کے تھے۔ ایسے میں جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بظاہر یہ ناممکن تھا کہ جدید طرز پر ایک پرامن اور متحد ریاست کی شکل میں اس خطے کو بدلا جا سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مضبوط اور منفرد حکمت عملی کے نتیجے میں انتہائی قلیل عرصے میں یہاں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک مستحکم، پرامن اور جدید ریاست قائم ہوگئی۔

وہ کیا محرکات تھے جن کی بدولت مدینۃ النبیؐ کے باشندے باہم مل جل گئے؟ وہ کیا عناصر تھے جنہوں نے مدینۃ النبیؐ کے باشندوں کو آپؐ کو مشترکہ طور پر ثالث تسلیم کرنے پر آمادہ کیا؟ اور سیاست کے وہ کیا اسرار و رموز تھے جن کو اختیار کرتے ہوئے یہاں اسلامی جمہوری ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا؟ مذکورہ سوالات کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ وہی سب سے اعلیٰ سیاسی طرزِ عمل تھا، وہی سب سے پائیدار اور مضبوط مفاہمتی اقدام تھا جس کا انتظار اپنی پیدائش کے وقت سے زمین و آسمان کر رہے تھے، جب ماضی سے لے کر مستقبل تک کے کسی بھی جاہلی مفاہمتی عمل کو تاجدارِ مدینہ نے اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے عین اسلامی مفاہمتی عمل کی قابل تقلید مثال اپنی امت کے لیے قائم فرمادی۔ نہایت متوازن، نہایت سادہ، نہایت پُرحکمت، نہایت مضبوط اور نہایت منفرد اقدامات جو آپؐ نے اختیار فرمائے ان میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ مرکزیت اسلام کی علامت مسجدِ نبویؐ کی تعمیر
۲۔ مواخات
۳۔ میثاق مدینہ و دیگر معاہدات
۴۔ عدل وانصاف کے ساتھ حکم کا کردار
۵۔ جہاد
۶۔ دعوتِ دین
۷۔ فلاحِ عامہ کا دستور

تعمیر مسجدِ نبوی:

آپؐ نے مسجد نبویؐ کو مسلم مرکزیت کی علامت کے طور پر اختیار کیا جو تاجدار مدینہؐ کا انتہائی سادہ دنیاوی شان وشوکت کے ادنی سے اظہار سے بھی خالی مرکز امامت تھا، مگر اس کمزور عمارت کی پائیداری کا یہ عالم تھا کہ وقت کی عظیم الشان سلطنتوں کے شان دار محلات اس کے آگے ریت کے ڈھیر ہو گئے۔ تمام عالم میں تاجدارؐ مدینہ کے متعارف کردہ شرفِ

انسانیت کے تصور کا ایسا شہرہ ہوا کہ ظلم اور ناانصافی کے بڑے بڑے مراکز لمحوں میں نابود ہو گئے۔تعمیر مسجد نبوی جس کو ریاست مدینہ کے قیام کے عمل میں آپ نے اولین ترجیح کے طور پر اختیار فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاہمت کے لیے کوئی بھی حکمت عملی تب تک پائیدار نہیں ہو سکتی جب تک اس کا اختیار کرنے والا گروہ اپنا مضبوط اندرونی مرکز نہ بنالے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھرپور حصہ لیا، صحابہ کرام اینٹیں اٹھاتے جاتے اور یہ مصرعہ پڑھتے جاتے۔

لئن قعدنا والرسول یعمل لذاک منا العمل المضلل(۱۳)

تکمیل مسجد نبوی کے بعد یہ مقام اسلامی تبلیغ واشاعت، تعلیم وتربیت اور سیاست ومعاشرت کا مرکز تھا۔اس مقام کے دیگر سلطنتوں کے مراکز کے ساتھ موازنے سے شہنشاہ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکز کی سادگی کی تشکیل نظام میں اہمیت کا پتا چلتا ہے۔اس کا دروازہ دربان سے خالی تھا مگر ہر خاص وعام کے لیے کھلا تھا، اس کا منبر زروجواہر سے مزین نہ تھا مگر ہر طبقے کو ایک ملت میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا اور اس مرکز میں ہونے والی ہر منصوبہ بندی دنیاوی عصبیت کی بقا کے لیے نہیں بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی حکومت کے قیام کے لیے ہوا کرتی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشکیل کردہ نظام کے بنیادی مقاصد میں عقائد کا اعمال میں اظہار، اعمال میں شریعت پر کامل انحصار، جاہلی عصبیت کا مکمل خاتمہ اور ملت واحدہ کا قیام بھی شامل ہیں۔ ان مقاصد کا حصول اور ایک مرکز کی حیثیت سے مسجد کی تعمیر پر ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اسلام کے نظام اور اس کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ مسلمان مضبوط اور راسخ وحدت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور اللہ کی رسی یعنی اس کے حکم اور اس کی شریعت کو جمع ہو کر تھامے رکھیں لیکن اگر اسلامی معاشرے کے مختلف اطراف میں ایسی مساجد قائم نہیں ہوں گی جہاں جمع ہو کر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کو سمجھ سکیں جس سے علم ومعرفت کے ساتھ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہیں، تو اس طرح ان کی وحدت پارہ پارہ ہو کر بکھر جائے گی اور بہت جلد خواہشات اور شہوات ان میں تفرقہ ڈال دیں گی۔مسلم معاشرے اور جدید اسلامی حکومت میں الٰہی تصورات کو قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کاموں سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی۔''(۱۴)

مواخات:

انسانی شخصیت کے تحقیقی جائزے سے تین طرح کی شخصیات تاریخ میں زیر مطالعہ رہی ہیں:

۱۔ نفسیاتی شخصیت ۲۔ نظریاتی شخصیت ۳۔ روحانی شخصیت

ملی اخوت میں جب مذکورہ تین طرح کی شخصیات، نظریاتی بنیادوں پر باہمی تعلق قائم کرتی ہیں تو چونکہ نفسیاتی اور روحانی طور پر وہ ایک دوسرے سے کم یا زیادہ مختلف ہو سکتی ہیں اس لیے اس اخوتِ باہمی میں قربانی، ایثار، درگزر اور مجموعی

طور پر آزمائش ہوتی ہے۔ نفسیاتی طور پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ اشخاص ایک دوسرے کے تقرب میں خاص چاشنی محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ روحانی طور پر ایک درجے کے اشخاص کے ذوق وشوق ایک ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح خونی رشتوں میں بندھے لوگ خواہ کسی بھی طور کے اختلاف رکھتے ہوں وہ رشتوں کے بندھن میں بندھے ہی رہتے ہیں۔ مگر ملی اخوت بالخصوص اسلامی دینی اخوت میں جڑا انسان نفسیاتی اور روحانی ابتدائی منازل طے کر چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ذہنی وقلبی طور پر ملی وحدت میں باہم مل جانے کے لیے خود کو تیار کر کے اس رشتے میں منسلک ہو جاتا ہے۔ یہ کسی بھی دنیاوی تعلق داری سے بالکل جدا اور منفرد تعلق داری ہے جو سراسر دینی حمیت کو نبھانے پر انسان کو ہر وقت تیار رکھتی ہے اور شیطان کے بہکاوے اور رب رحمٰن کی رہنمائی میں سے کسی ایک سے متاثر ہونے کی بنا پر کبھی کمزور اور کبھی پختہ ہوتی رہتی ہے مگر ٹوٹتی نہیں۔ اس تعلق داری کا بہترین اظہار اور عملی مثال مدنی دور کے اولین ایام میں جاری کردہ یہ مواخات ہے جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ’’اسلامی تہذیب اخلاق اور تکمیلِ فضائل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس سلطنت الٰہی کے لیے وزراء، ارباب تدبر، سپہ سالاران لشکر ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔ اوران میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درس گاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحادِ مزاج موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضروری ہے۔ تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سیکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کے خصوصیات میں سے ہے‘‘۔(۱۵)

گویا تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ دوسرا اہم اقدام جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا وہ انصار ومہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات کا قیام تھا(۱۶)۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تآخوا فی اللہ اخوین اخوین. پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ھذا اخی (۱۷)۔ اس اقدام نے آگے چل کر ریاست مدینہ کی تشکیل اور مضبوط تہذیب میں کلیدی عمل ہونے کا ثبوت دیا۔ یہاں نظریاتی طور پر یکساں ہونے کی بنا پر قائم ہونے والے بھائی چارے کا کسی مفاہمتی حکمت عملی میں اہم ہونا دکھائی دیتا ہے۔ آپؐ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں اسلامی مواخات کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ یوں آپؐ نے ملت اسلامیہ کو تقویت پہنچانے اور اس کے استحکام کے لیے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ اپنی عملی شکل میں نافذ ہونے کے بعد ملت اسلامیہ کے عروج کا سبب بنا۔

بقول ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی:

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ اخوت کا مدار اور اس کی بنیاد اسلامی تعلق ہے جس کی ہجرت کے بعد کے مخصوص حالات میں جب مہاجرین اور انصار ایک جگہ اکٹھا ہوئے، تجدید اور تقویت کی گئی، حقیقت میں یہ وحدت دین اور وحدت عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اخوت تھی جسے عملی طور پر مستحکم کر دیا گیا''۔(۱۸)

میثاق مدینہ و دیگر معاہدات:

میثاق مدینہ وہ اہم معاہدہ ہے جس کو بین المذاہب معاہدے کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ان بین الاقوامی اصولوں کو متعارف کرانے والی دستاویز ہے جن کا کسی بھی بین الاقوامی سیاسی معاہدے میں ہونا لازمی امر ہے۔ اسی قسم کے معاہدے کی بدولت ہی اقوام، باہمی وحدت، علاقائی امن و استحکام اور تہذیبی بقا اور ترقی جیسے ثمرات حاصل کیا کرتی ہیں۔ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ درس ہے جس سے تا قیامت انسانیت فیض حاصل کرتی رہے گی (۱۹)۔ ڈاکٹر لقمان سلفی تحریر کرتے ہیں:

''یہ عہد نامہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام خیر سگالی والا دین ہے اور لوگوں کو ان کے دین اور مال و جائیداد کے سلسلے میں پوری آزادی دیتا ہے اور یہ کہ یہاں کے رہنے والے سب لوگ اسلام کے سایے میں خوش و خرم زندگی گزاریں بشرطیکہ بدعہدی نہ کریں'' (۲۰)۔ میثاق مدینہ کی کل سینتالیس (۴۷) شقیں وثائق السیاسۃ میں نقل کی گئی ہیں۔ (۲۱)

اس میثاق کے اہم فریق یہود نے بعد ازاں اس معاہدے کو توڑتے ہوئے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی جس کے نتیجے کے طور پر ایک تو یہود کی اسلام دشمنی عریاں ہو گئی اور دوسرے مسلمانوں پر بوقت ضرورت دشمن کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کے لیے جہاد بالسیف کی اہمیت بھی واضح ہو گئی۔ (۲۲)

دیگر معاہدات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اقوام کے ساتھ کیے ان میں سے ایک سینٹ کیتھرین کے راہبوں کے ساتھ کیا گیا وہ صلح نامہ ہے جس کی شقیں انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

عدل و انصاف کے ساتھ ثالثی کا کردار:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین مفاہمتی طرز عمل کی جو مثالیں امتِ مسلمہ کے لیے قائم فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے جب بھی غیر مسلم گروہوں نے آپؐ کو ثالث تسلیم کیا آپؐ نے عدل و انصاف کے اسلامی تقاضوں کو ہمیشہ پورا کیا۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کسی ایک مقام پر بھی آپؐ نے طاقت ور اور مضبوط پوزیشن رکھنے کے باوجود محض امتِ مسلمہ کی فلاح کے لیے بھی عدل و انصاف کے منافی کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ آپؐ نے تاجدارِ مدینہ ہونے کی حیثیت سے جتنے بھی مقدمات کے فیصلے فرمائے ان میں غیر مسلموں کے باہمی فیصلے ان کے مذہب کے مطابق فرمائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فیصلے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمائے۔ آپؐ نے عدل و انصاف کے ساتھ حکم کا کردار ادا فرمایا جو آپؐ کی مضبوط حکمت عملی کا عکاس ہے اور اس حکم الٰہی کی تفسیر بھی کہ:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان الا تعدلوا. اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ:۸)

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کردے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔عدل کیا کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل نے ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ کر دیا۔اسلام اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر علیہ السلام پر اقوام عالم کا اعتماد اتنا گہرا بیٹھ گیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق اس مذہب امن کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

جہاد:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں جا بجا جہاد کی تلقین فرمائی ہے۔لفظ جہاد کی لغوی تشریح کچھ اس طرح ہے:**الجھد: المشقة، النھایة والغایة، الوسع والطاقة**

قرآن پاک میں ہے:**والذین لا یجدون إلا جھدھم**۔(۲۳)

جہاد اپنے وسیع اسلامی تصور میں جملہ اسلامی تعلیمات کے اندر سمایا ہوا ہے۔رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاعت کردہ نظامِ امن کے قیام میں جہاد کا مقام ازبس لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔(الحج:۷۸)

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے طور پر اگر اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جہاد کا حق کیا ہے جس کے ادا کرنے کا تقاضا مسلمانوں سے اس آیت مبارکہ میں کیا جا رہا ہے۔بالاختصار یہ کہ راہ حق میں پیش آنے والی جدوجہد کی ادائیگی میں تاخیر، ناکامی کی صورت میں رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر جہاد کو ترک کر دینا یا خود ساختہ مصلحت کو اختیار کرتے ہوئے خاموش بیٹھ رہنا اسلامی تصور جہاد کے منافی امور ہیں۔ان کے برعکس مجاہد فی سبیل اللہ سے حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی میں آخر دم تک مستعد رہنے کی توقع کی گئی ہے۔نیز ایسا کرنے میں ہر دم ہشاش بشاش اور مسرور رہنے والے کو مومن کہا گیا ہے۔

دعوتِ دین:

کامیاب مفاہمت کے قیام کا مطلب یہ نہیں کہ مخالفین کی دل آزاری کے خوف سے دعوت و تبلیغ کے فریضے کو ترک کر دیا جائے یہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔اس کے بجائے کامیاب مفاہمت کا تقاضا اور مقصد پُرامن فضا میں دعوت و تبلیغ کے اجرا کو یقینی بنانا ہے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد پہلا کام باطل اقوام کو دعوتِ حق دینے کا کیا۔اس سلسلے میں عرب اور اس کے ارد گرد قائم سلطنتوں کے فرماں رواؤں کی جانب

اپنے سفیروں کو دعوت حق پر مبنی نامہ ہائے رسالت دے کر روانہ فرمایا۔

''نظام حکومت نبویہ'' میں الشیخ عبدالحی الکتانی نے ایک فصل ''نبیؐ کے سفیر، کامل العقل، فصیح اللسان اور مخالف کو مسکت دلائل سے قائل کرنے والے تھے''۔ کے عنوان سے قائم کی ہے۔ جس میں مختلف سیرت نگاروں کے حوالے سے انہوں نے اس قلمی دعوت کے اہم نکات قاری کے سامنے بے نقاب کیے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعوت میں جامع، دوٹوک اور کہیں مدلل اور کہیں سخت انداز میں اس وقت کے عظیم بادشاہوں کو مخاطب کیا ہے(۲۴)۔ اس میں یہ فلسفہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ:

۱۔ دعوت کا کام اعلیٰ سطح سے شروع ہونا چاہیے۔

۲۔ بادشاہوں کے ہاں فلسفہ حکومت وسلطنت جس مقام پر ہوتا ہے اس کے لحاظ سے آپ کا طرزِ تخاطب ایک اہم ترین نمونہ ہے۔

۳۔ اہل کتاب بادشاہوں کے لیے وحی کا لایا ہوا نظام مان لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہونا چاہیے اس لیے انہیں وحی کے نظام کو قبول کر لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔

۴۔ اسلامی قوت کا مظاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کرنا مقصود تھا۔

۵۔ اس پہلے خطاب نے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاب کرام رضی اللہ عنھم کے ہاتھوں اسلامی قوت کا عملی اظہار ان سلطنتوں کی شکست کی صورت میں کر دیا۔

فلاح عامہ کا دستور/ خطبہ حجۃ الوداع:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے لیے جو دستور ارشاد فرمایا ہے وہ فلاح عامہ کا وسیع تصور اپنے اندر رکھتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جو بنیادی انسانی حقوق کا جامع ترین نظام اہل دنیا کو دیتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جس میں جاہلی رسوم کے خاتمے کا اعلان، ظلم کے ہاتھ باندھنے کا عزم، بنیادی انسانی حقوق کا تعین اور معاشرتی ڈھانچے کی تعمیر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔(۲۵)

وسیع سلطنت کے عظیم فرماں روا کا اپنی قوم سے یہ آخری خطاب تھا جس کا جائزہ لیتے ہوئے سید امیر علی نے لکھا ہے:

> ''اس خطبے میں نہ تو اتنی شاعری ہے نہ اتنا تصوف جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی خطبے میں تھا، لیکن اس میں نہ صرف ایسی عملی دانش مندی ہے جو اعلیٰ طبائع کو پسند آتی ہے بلکہ ادنیٰ طبائع کی صلاحیتوں اور تقاضوں سے مطابقت بھی ہے، جنھیں اخلاقی رہنمائی کے لیے مثبت اور مکمل ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے''۔(۲۶)

مذکورہ بالا چند نکات کی روشنی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل میں ہمیں ایک متوازن اور اصولی نظام ملتا ہے جس میں کسی قسم کی مصالحت کے لیے عدم قبولیت کی روش کے ساتھ ساتھ عمل میں ٹھہراؤ بھی پایا جاتا ہے۔ رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود نظام کے بجائے عالمگیر وحدت کا نظام بہترین حکمت عملی سے معرض وجود میں لا کر بعد کی انسانیت کے لیے مثال دی ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) حسن کامل الملطاوی، رسول اللہؐ فی القرآن الکریم، ص۱۳، دارالمعارف قاھرہ: عبدالحلیم محمود، الدکتور، القرآن والنبیؐ ص ۵، دارالمعارف، قاھرہ، س۔ن (۲) اسماعیل بن کثیر معجزات النبیؐ ص۲۱، عالم الکتب لبنان، ۲۰۰۵ء

(۳) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرۃ ابن اسحاق، ص:۸۸، (ر:۱۱۴)، معھد الدراسات والابحاث للتعریب، س۔ن: ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک، المعافری، السیرۃ النبویۃؐ ۱/۲۴۱، مکتبہ العبیکان، ریاض، ۱۹۹۸ء

(۴) ایضاً، ۱/۲۴۳: البیھقی، ابواحمد بن الحسین ۲/۵۶، دارالکتب العلمیہ لبنان ۲۰۰۲: محمد الصویانی، السیرۃ النبویۃؐ، ۱/۴۷

(۵) سیرۃ ابن اسحاق، ص:۱۱۴-۱۱۵: اکرم ضیا العمری، الدکتور، السیرۃ النبویۃؐ الصحیحۃ، ۱/۱۴۷، مکتبۃ العبیکان ریاض، ۲۰۰۳ء

(۶) محمد ابوزھرۃ، خاتم النبیینؐ، ۱/۵۸۴، دارالتراث لبنان، ۱۹۷۲ء: ابن کثیر، البدایہ والنھایۃ ۳/۱۳۷، دارابن حزم، ۲۰۰۹ء

(۷) السیرۃ النبویۃؐ ۴/۲۶-۲۷ (۸) ایضاً ۴/۲۵۸-۲۵۹ (۹) خاتم النبیین، ۱/۴۱۰

(۱۰) السیرۃ النبویۃؐ، ۱/۲۸۸-۲۹۱ (۱۱) ایضاً، ۱/۳۶۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۰۸، دارصادر، بیروت، س ن

(۱۲) احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورۃ فی قرن الرابع عشر الھجری، دارالمنار، ۱۹۹۳ء: محمد محمد حسن شُرّاب، المدینۃ النبویۃؐ، ۱/۳۴، دارالقلم دمشق، ۱۹۹۴ء

(۱۳) السیرۃ النبویۃؐ ۲/۳۰۶: عبدالرحمٰن السھیلی، الروض الأنف ۲/۳۳۶ داراحیاء التراث العربی، لبنان، ۲۰۰۰ء

(۱۴) محمد سعید رمضان البوطی، ڈاکٹر، فقہ السیرۃ (ترجمہ: حافظ محمد عمران انور نظامی) ص ۲۵۰، فرید بکسٹال لاہور، ۲۰۰۹ء

(۱۵) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ۱/۲۹۵، ناشران قرآن، لاہور، ۱۳۶۴ھ

(۱۶) السیرۃ النبویۃؐ ۲/۱۰۴: الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۳۸: عبدالرحمٰن السھیلی، الروض الانف ۴/۱۷۷

(۱۷) الروض الانف ۴/۱۷۱-۱۷۴: حمید اللہ، الدکتور، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی ص ۱، مطبۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والتفسیر القاھرہ، ۱۹۴۱ء

(۱۸) سعید رمضان البوطی، ڈاکٹر، (مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)، دروس سیرتؐ ص ۲۷۳، نشریات، لاہور، ۱۹۹۹ء

(۱۹) السیرۃ النبویۃؐ ۲/۳۶۸، دارالحدیث، القاھرہ، ۲۰۰۴ء

(۲۰) لقمان سلفی، ڈاکٹر، الصادق الامین ص ۳۰۷، الفرقان ٹرسٹ، مظفر گڑھ، س ن

(۲۱) وثائق السیاسیۃ للعھد النبوی، ص ۵۹

(۲۲) Power Manifestations of the Sirah, PP:122,123, Institute of Contemporary Islamic Thought, Canada, 2011

(۲۳) المعجم الوسیط، ۱/۱۴۲، (جھد) ادارۃ العامۃ للمجمات واحیاء التراث، کتاب خانہ ملی ایران، ۱۸۸۵ھ

(۲۴) عبدالحئ الکتانی، نظام حکومت نبویہ، (مترجم حافظ محمد ابراہیم فیضی) ص ۲۳۹، فرید بک سٹال لاہور، ۲۰۰۵ء

(۲۵) دروس سیرت، ص ۶۰۸-۶۱۴

(۲۶) سید امیر علی، روح اسلام، (ترجمہ: محمد ہادی حسین) ص ۲۱۳، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰ء